Fikr-o-Nasar (Islamabad) 3:7-8 (1966)

عہد جدید میں اسلامی قانون سازی

محمد مظہر الدین صدیقی

[یہ مضمون جناب صدیقی صاحب کی نئی کتاب Concept of Muslim Culture in Iqbal کا ایک باب ہے - یہ کتاب ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے شائع کی جائے گی - مدیر]

گذشتہ باب میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ امام شافعی رح اسلامی قانون سازی میں یکسانیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور ایک ایسے نظام قانون کی تعمیر کے لئے کوشاں تھے جو علاقائی اختلافات سے بالکل پاک ہو - وہ اجتہاد یا رائے کے بھی مخالف تھے کیونکہ اس کی حیثیت موضوعی (Snbjective) تھی - اس غرض سے انھوں نے قانون سازی میں بڑے پیمانہ پر حدیث پر انحصار کیا - کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حدیث ہی کے ذریعہ فقہی فیصلوں کا ایک ایسا عالمگیر معیار مہیا ہوسکتا ہے جس سے علاقہ واری اختلافات کا سدباب ہوجائے گا۔ حدیث میں علاقائی خصوصیات اور خطہ واری امتیازات بار نہیں پاسکتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص علاقہ یا خطہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور آپ بلا لحاظ زمان و مکان تمام مسلمانوں کے ہادی و رہبر تھے۔ اس لئے آپ کے افعال و اقوال عالمگیر اہمیت رکھتے تھے - جب کہ فقہائے اسلام کے فیصلے انخطوں اور علاقوں میں زیادہ مقبول تھے جن سے ان کا وطنی یا سکونتی تعلق تھا - مزید برآں حدیث سے موضوعی (Subjective) فیصلوں کو جواز بخشنے کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا جب کہ ان موضوعی فیصلوں کا انحصار فقہا کی انفرادی اور ذاتی رائے پر تھا - اس طرح حدیث پر زور دینے کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی قانون سازی میں زیادہ سے زیادہ معروضیت (Objectivity) پیدا کی جاسکے۔ امام شافعی نے اسی خیال سے قیاس کے ماسوا اجتہاد کی دیگر شکلوں مثلاً استحسان اور استصلاح کو بھی مسترد کردیا - انفرادی رائے کی جگہ جس

میں کسی قاعدے یا ضابطہ کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہو۔ امام شافعی ایسے فقہی فیصلوں کے حامی تھے جن کے پس پشت کوئی واضح اصول یا قاعدہ موجود ہو۔

امام شافعی کی یہ کوششیں ایک محدود دائرہ میں کامیاب ہوئیں۔ کیونکہ اس کے بعد فقہ کا کوئی نیامذہب وجود میں نہ آسکا۔ اس طرح یہ خطرہ رفع ہوگیا کہ مرور زمانہ کے ساتھ فقہی اختلافات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جائے گا۔ امام شافعی کی کوششیں شامل حال نہ ہوتیں تو دنیائے اسلام میں فقہی مذاہب کی کثرت سے بڑا زبردست اختلاف پیدا ہوجاتا اور فقہی مذاھب میں جو امور مشترک تھے، ان میں بہت کمی ہوجاتی۔ پھر یہ بھی امام شافعی کی کوششوں کا نتیجہ تھا جو رائے استصلاح استحسان وغیرہ کو مقبولیت نہ ہوئی اور فقہی امور میں فیصلوں کو قواعد و ضوابط کا پابند کیا گیا۔ لیکن اسلامی قانون کے ماخذ کی حیثیت سے حدیث کی اھمیت پر امام شافعی نے جو زور دیا، اس کا نتیجہ تحریک حدیث کی صورت میں رونما ہوا۔ اگرچہ تحریک حدیث اسلامی فقہ پر بہت کم اثر انداز ہوئی کیونکہ جمع و تدوین حدیث کا کام ایک مستقل فن بن گیا جس کا اسلامی فقہ کی ترقی اور نشو و نما سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جہاں تک فقہ کا تعلق ھے، حدیث جمع کرنے اور روایت کرنے والوں کی سرگرمیوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ کیونکہ ان سرگرمیوں کے آغاز سے پہلے جو فقہی مذاھب معرض وجود میں آچکے تھے، وہ اپنی جگہ بدستور قائم رہے۔ اس کے برعکس ہر فقہی مذھب اپنے فروعی مسائل کی تائید میں احادیث پیش کرنے لگا۔ اگرچہ مؤلفین حدیث نے اس قسم کی حدیثوں سے بالعموم احتراز کیا۔ یہ صحیح ھے کہ بعض قدیم فقہی مذاھب پردۂ خمول میں گم ہوگئے اور مرور ایام کے ساتھ بالکل معدوم ہوگئے۔ لیکن عراق اور مدینہ کے اھم فقہی مذاھب تحریک حدیث کے باوجود برابر مقبول ہوتے گئے۔ اور ان کی توسیع میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ خود امام شافعی کا مذھب فقہ باوجودیکہ وہ تحریک حدیث کا علمبردار تھا۔ عالمگیر مقبولیت حاصل نہ کر سکا۔ اسلامی دنیا میں اس وقت جو علاقائی مذاھب فقہ تھے، انھیں میں سے ایک مذھب امام شافعی کا بھی تھا۔ اس سے زیادہ وہ کوئی مزید حیثیت نہ پا سکا۔

جہاں تک حدیث کا تعلق ہم بتا چکے ہیں کہ اس سے فقہ میں موضوعیت (Subjectivity) کا خطرہ رفع نہ ہوسکا ۔ کیونکہ حدیث کے وسیع ذخیرہ میں ہر شخص اپنے مذاق اور نقطہ نظر کی تائید کے لئے ضروری مواد حاصل کرسکتا تھا۔ پھر ہر شخص کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ حدیث کو لفظی حیثیت سے تسلیم کرتے ہوئے اپنے نقطہ نظر سے اس کی تعبیر و توجیہہ کرسکے۔ اس لئے تحریک حدیث اپنی وسعت اور جامعیت کے باوجود فقہی اختلافات کے دائرہ کو تنگ کرنے میں ناکام رہی ۔ کیونکہ ہر فقہی مذہب کے ائمہ اور مجتہدین انہی حدیثوں کو مانتے تھے جو اُن کے بانیوں یا شیوخ سے متداول چلی آرہی تھیں ۔

فقہی مذاہب کے اختلافات کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ موضوعی رائے کا استعمال کرتے تھے یا حدیث کی طرف سے انھوں نے بے توجہی برتی جیسا کہ امام شافعی کا خیال تھا۔ ان اختلافات کی تہہ میں کچھ اور عوامل کار فرما تھے ۔ اور یہ عوامل اس وقت بھی کار فرما رہے جب کہ امام شافعی نے فقہ کے بعض واضح اصول وضع کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ۔ اولاً جغرافیائی دشواریوں کے باعث ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں آمدورفت کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، جس کے باعث کسی خاص علاقہ یا خطے کے علماء اور فقہاء کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ دوسرے علاقوں یا خطوں کے علما و فقہا سے بڑے پیمانہ پر تبادلہ خیالات کرسکیں ۔ اگر ایک علاقہ کے علماء و فقہاء دوسرے علاقوں کے علماء و فقہاء سے علمی روابط قائم کرسکتے تو آپس میں بحث و مباحثہ اور تبادلہ خیالات کے نتیجہ میں ان کے بہت سے اختلافات رفع ہوجاتے ۔ جب آخرکار تحریک حدیث کے نتیجہ میں علماء اور محدثین دور دراز علاقوں کا سفر کرنے لگے تب بھی ان کی سرگرمیاں صرف حدیث کے سننے اور روایت کرنے تک محدود رہیں۔ ہم تاریخ میں کسی عالم یا فقیہہ کا تذکرہ نہیں پاتے جس نے ان مسائل پر دوسرے علاقوں اور خطوں کے علماء سے بحث و مباحثہ یا تبادلہ خیال کے لئے سفر کیا ہو جو باہمی اختلافات کا سبب تھے۔ ایک یکساں نظام فقہ کی تشکیل میں ایک اور امر یہ مانع تھا کہ ہر مذہب فقہ کے پیرو اپنے بانی اور شیوخ کا غیر معمولی احترام کرتے تھے اور بالعموم ان کی رائے سے اختلاف نہیں کرتے

تھے۔ اسی طرح وہ دوسرے مذاہب فقہ کا بھی احترام کرتے تھے۔ اس غیرمعمولی رواداری کے باعث فقہی مذاہب میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی - ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں جہاں کوئی فقیہہ دوسرے مذاہب فقہ کے افکار و آرا سے متاثر ہوکر کسی مسئلہ میں اپنے موقف سے دستبردار ہوگیا ہو - امام ابو یوسف اپنی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی میں بالعموم امام ابو حنیفہ کے موقف کی تائید کرتے ہیں - صرف دو تین مقامات پر مثلاً دارالحرب میں ربوا کے مسئلہ کی نسبت وہ امام اوزاعی کی حمایت کرتے ہیں - یہ امر بالکل فطری ہے اور آج بھی بالعموم یہی ہوتا ہے کہ شاگرد اکثر امور میں اپنے استاد کا ہم خیال ہوتا ہے - فقہی مذاہب میں عدم یکسانیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگ مقامی عادات و رواسم کا بھی لحاظ کرتے تھے - حنفی اس کو عرف کہتے ہیں - امام مالک اور دوسرے فقیہہ اس کو عمل یا سنّت کہتے ہیں -

لیکن مذاہب فقہ میں علاقائی اختلافات کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ علماء کے اجماع کو متحقق کرنے کے لئے اس وقت تک کوئی مشینری (Machinery) وجود میں نہیں آئی تھی - اور نہ ایسے حالات کی تخلیق کے لئے کوئی خاص کوشش کی گئی تھی، جن کے تحت علماء میں زیادہ سے زیادہ اشتراک فکر پیدا ہوسکے۔ شاید اگر اجماع کی کوئی مشینری موجود ہوتی تو اجماع رسوم و قیود کا تابع ہوجاتا اور اس کی روانی میں فرق آجاتا - لیکن ایسی مشنیری Machinery کی عدم موجودگی میں اجماع پر امام شافعی کے وارد کردہ اعتراضات سے عہدہ برآ ہونا مشکل تھا - زمانہ حال میں جب کہ مواصلات کا نظام بہت زبردست ترقی کر چکا ہے، اجماع کے تحقق کے لئے اس قسم کی مشینری باسانی قائم کی جاسکتی ہے - ہر ملک کے علماء اپنی علیحدہ علیحدہ تنظیمیں قائم کرسکتے ہیں اور یہ تنظیمیں ایک سالانہ کانفرس میں شرکت کے لئے اپنے نمائندے روانہ کرسکتی ہیں۔ ان کانفرنسوں میں فقہی مسائل پر بحث و مباحثہ ہوسکتا ہے اور ہر فقہی مذہب اپنے حق میں دلائل پیش کرسکتا ہے۔ اس طرح ان کانفرنسوں کے نتیجہ میں ایک قسم کی رائے عامہ پیدا ہوسکتی ہے - اگر علماء کی ایسی سالانہ کانفرنسیں کسی متفقہ فیصلہ تک نہ بھی پہونچیں، تب بھی وہ مسائل زیر بحث کے متعلق رائے عامہ میں بیداری اور دلچسپی پیدا کرسکتی ہیں - اس طرح مزید بحث و تحقیق کا

سلسلہ جاری رہے گا اور اس کے نتیجہ میں آئندہ کسی وقت علماء کا اجماع وقوع پذیر ہوسکتا ہے ۔ پھر چونکہ علماء کی یہ کانفرنسیں حکومت وقت کی سرپرستی اور اثر سے آزاد و محفوظ ہوں گی ۔ اس لئے ان کے اجماعی فیصلوں کی روانی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوسکے گا ۔

اس اثناء میں چونکہ مسلمان حکومتوں کو اپنی فوری ضروریات کے لئے قانون سازی کرنی ہوگی اس لئے وہ یہ انتظار نہیں کرسکتیں کہ کس مسئلہ پر اجماع واقع ہوجائے تب ہی وہ قوانین وضع کرنے کا کام شروع کریں ۔ کیونکہ اجماع کا عمل سست رفتار ہوتا ہے اور حکومتوں کی ضروریات اہم اور فوری توجہ کی محتاج ہوتی ہیں ۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ مسلمان حکومتیں علماء کے مشورہ اور ہدایات سے بالکل بے نیازی اختیار کرلیں ۔ بلکہ ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ علماء اور دیگر ماہرین قانون کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کریں ۔ اس غرض سے مجالس قانون ساز میں علماء اور دیگر ماہرین قانون کو مناسب نمائندگی دینی ضروری ہے ۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب اسلامی ممالک میں جمہوری نظام قائم ہو اور عوام کے نمائندوں کو یہ حق دیا جائے کہ وہ مفاد عامہ کے پیش نظر وضع قوانین کا کام انجام دیں ۔ اس طرح ایک جمہوری نظام میں قانون سازی کا سارا کام عوامی نمائندوں کے اجماع پر موقوف ہوگا ۔ چونکہ علماء اور دیگر ماہرین قانون کو (اگر ضرورت ہو تو نامزدگی کے ذریعہ) مجالس قانون ساز میں خصوصی نمائندگی دی جائے گی اس لئے یہ ان کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ مجالس قانون ساز کی رہنمائی کریں ۔ جہاں تک کہ قانون سازی کا تعلق ہے ۔ اور اس امر پر کڑی نگرانی رکھیں کہ کوئی ایسا قانون منظور نہ ہونے پائے جو اسلامی معیارات و اقدار سے مطابقت نہ رکھتا ہو ۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ علماء اور ماہرین قانون کو قانون سازی کے تعلق سے حق تنسیخ (Veto - power) حاصل ہوگا ۔ اقبال نے قانون سازی کے تعلق سے علماء کے فرائض کے بارے میں کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ مثلاً انہوں نے سنہ ۱۹۰٦ء کے ایرانی دستور کی اس دفعہ پر اعتراض کیا جس کی رو سے علماء کی ایک کمیٹی کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ قانون سازی کے کام کی نگرانی کریں ۔ ان کے خیال میں علماء کو قانون سازی کے بارے میں صرف مشورہ اور

رہنائی کا فریضہ انجام دینا چاہئے ۔ اس خطرہ کا ذکر کرتے ہوئے کہ عوامی نمائندے قوانین اسلام کی غلط تعبیر کرسکتے ہیں، اقبال یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں اس وقت قانونی تعلیم کا جو نظام رائج ہے، اس کی اصلاح کی جائے (دیکھئے اسلامی مذہبی افکار کی تشکیل جدید ۔ لکچر (۶) ۔ انگریزی لاہور ۔ سنہ ۱۹۶۲ع صفحہ ۱۷۵ - ۱۷۶) ۔

بہر حال اس امر کو تسلیم کرنا ہوگا کہ قانون سازی کے سلسلہ میں علماء کو موثر نمائندگی حاصل ہونی چاہئے اور انہیں اس امر کا پورا پورا موقع حاصل ہونا چاہئے کہ وہ عوامی نمائندوں پر اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرسکیں ۔ اور تبادلہ خیالات کے ذریعہ ان کی آرا کو متاثر کرسکیں ۔ لیکن جب ایک بار مجالس قانون ساز کے عوامی نمائندوں کا کسی مسئلہ پر اجماع ہو جائے (خواہ انہیں علماء کی تائید حاصل ہو یا نہ ہو) تو اس اجماع کو قانون سازی میں فیصلہ کن قرار دیا جائے گا ۔ البتہ یہ اجماع تجرباتی نوعیت کا ہوگا ۔ اصلی اجماع تو باشعور رائے عامہ کا ہوگا ۔ اسی وجہ سے یہ بھی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی مجالس قانون ساز جو قانون منظور کریں اس کا نفاذ صرف ایک معین مدت کے لئے ہو، جس کے اختتام پر اس قانون کے بارے میں دوبارہ بحث شروع کی جاسکے تاکہ اگر اس درمیان میں رائے عامہ میں کوئی تبدیلی واقع ہو تو اس کا اثر قانون مذکور پر ڈالا جاسکے ۔ مجلس قانون ساز کے ہر رکن کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ معینہ مدت کے بعد قانون پر نظرثانی کا مطالبہ کرسکے ۔

اس بحث سے یہ ظاہر ہے کہ اجماع کے وقوع کے لئے چند شرائط ہیں اگر اجماعی فیصلوں کو واقعی موثر بنانا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کا نظام جمہوری ہو ۔ لوگ کثیر تعداد میں خواندہ ہوں اور اپنے قومی مسائل سے نہ صرف دلچسپی رکھتے ہوں بلکہ ان پر علم و بصیرت کے ساتھ رائے قائم کرسکتے ہوں ۔ مگر اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ قوم کی اکثریت نہ صرف تعلیم یافتہ ہو بلکہ اس میں بڑے پیمانہ پر اعلیٰ تعلیم شائع و ذائع ہو ۔ پھر نظام تعلیم ایسا ہو جس سے اسلامی اقدار کو فروغ ہوسکے ۔ لیکن ایک عادلانہ اور منصفانہ معیشت کے بغیر نہ تو جمہوری نظام کی صحتمندانہ تشکیل ممکن ہے اور نہ قومی نظام تعلیم کی ۔ جس قوم کی بہت بڑی اکثریت غریب اور افلاس زدہ ہو، اس میں

نہ تو حق رائے دہی کا صحیح استعمال ہوسکتا ہے اور نہ اعلیٰ تعلیم فروغ پاسکتی ہے - جمہوریت کی کامیابی کے لئے علم اور اعلیٰ کردار دونوں ضروری ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں ایک عادلانہ اور منصفانہ معاشی نظام کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ہیں - اس کے معنے یہ ہیں کہ مسلمان قوموں کو اپنے موجودہ نظام معیشت میں بڑی اور دور رس تبدیلیاں کرنی ہوگی - معمولی تبدیلیوں سے کام نہیں چلے گا - جب تک عام لوگوں کا شعور مذہبی اور شعور قومی پوری طرح بیدار نہ ہو اور انہیں یکساں معاشی مواقع حاصل نہ ہوں، اجماع کی کوئی مشینری (Machinery) موثر نہیں ہوسکتی -

اگر ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام صرف عقائد و عبادات ہی کا ایک نظام نہیں بلکہ ساری زندگی اور اس کے مسائل پر حاوی ہے تو ہم شعور عامہ تعلیم کی بیداری، جمہوریت کے قیام - ایک منصفانہ معاشی نظام کی تعمیر اور اعلیٰ تعلیم کی اشاعت جیسے مسائل سے کیونکر آنکھیں بند کرسکتے ہیں جب کہ انہی مسائل کے حل پر ہمارے قومی اور مذہبی اخلاق کی کیفیت اور نوعیت کا دارو مدار ہے - در حقیقت قانون سازی کا مسئلہ ہماری قومی اور مذہبی تعمیر نو (Reconstruction) کے بڑے مسئلہ سے گہرا ربط و تعلق رکھتا ہے -